© rasailojaraid.com

قارئین بنام مدیر

افکار و تاثرات

- جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک فراموش شدہ غدار
- ولی خان اور قادیانیت

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا ایک فراموش شدہ غدار

سیرت نگاری کی نسبت علامہ شبلی مرحوم کا نقطۂ نظر مشرقی تذکرہ نویسوں کے زاویۂ نگاہ سے بالکل مختلف تھا۔ ان کی رائے تھی کہ سیرت نگار کو صاحب سیرت کی زندگی کا ہر پہلو دکھانا چاہیئے۔ سیاہ بھی اور سفید بھی۔ روشن بھی اور تاریک بھی۔ وہ ان لوگوں کے مخالف تھے جو کسی کے معائب دکھانے کو تنگ خیالی اور بد طینتی سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ

"اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیاں سب برباد ہو جائیں"

یہ وہ الفاظ ہیں جن سے شیخ محمد اکرام آئی سی ایس کی کتاب "شبلی نامہ" کا آغاز ہوتا ہے۔ شیخ صاحب شبلی کے ایک خط کا ذکر کرتے ہیں جو نواب حبیب الرحمن خان شروانی کو لکھا گیا۔ نواب صاحب صحابہ کرامؓ پر کتاب لکھنا چاہتے تھے۔ شبلی انہیں مشورہ دیتے ہیں۔

"صحابہؓ کے حالات سے بڑھ کر کوئی چیز ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی۔ لیکن ہر پہلو کو لیجئے۔ اور ان پہلوؤں کو صاف دکھائیے جن سے آج کل کے مولوی قصداً چشم پوشی کرتے ہیں"

شیخ صاحب کو افسوس ہے کہ "شبلی بیچارے کو کیا معلوم تھا کہ جس قسم کی سوانح نگاری کے وہ خلاف تھے اس کا سب سے بڑا دارالاشاعت ان کا اپنا دارالمصنفین ہوگا۔ اور اس کا سب سے نمایاں نمونہ ان کی اپنی سوانح عمری حیات شبلی ہوگی"

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں۔ "بائیوگرافی اب فقط سوانح نویسی نہیں بلکہ سیرت نگاری ہو گئی ہے"۔ "تذکرہ نگار کا کام فقط صاحب تذکرہ کے ظاہری کارنامے گنانا نہیں بلکہ اس کی شخصیت کو بے نقاب کرنا اور اس کی جذباتی ساخت کی ایک روشن اور واضح تصویر کھینچنا ہے"۔ بقول شیخ صاحب الٹن اسٹریچی نے سیرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگاری کو ایک ہلکی پھلکی چیز بنا دیا ہے جس میں افسانے کی دلچسپی اور عام نفسیات کی ژرف بینی آگئی ہے

اس زور دار تمہید کے بعد شیخ صاحب کے پاس "رندوں میں رند" اور "اردو میں عشقیہ خطوط کے بانی" شخصیت کو بے نقاب کرنے کے لئے اچھا خاصا جواز موجود تھا۔ شاید ابھی وہ مطمئن نہیں تھے۔ اس لئے ایک خطرناک "لہر" کا تذکرہ کرتے ہیں کہ:-

"نہ صرف ہمارے ارباب علم وادب نے دوسرے ملکوں کی فنی اور علمی ترقیوں سے آنکھیں بند کر لی ہیں ملک میں ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے۔ جو صحیح سیرت نگاری کے لئے بادِ سموم کا اثر رکھتا ہے۔ یعنی جوں جوں اکابر اور رہنماؤں کی اخلاقی حالت تنزل کر رہی ہے۔ بالکل اسی تناسب سے قوم میں یہ جذبہ بڑھ رہا ہے کہ انہیں ہر طرح سے بے عیب و سقم بنا کر پیش کیا جائے"

ایک خوبصورت فقرہ اور ملاحظہ فرمایئے کہ "یہ قومی بہی خواہی کا راستہ ہے۔ کہ حقیقت سے چشم پوشی کر کے تذکرہ نگار ریاکاری کے فروغ کا اور سامان کرے"

واقعی شبلی نامہ میں علامہ کی زندگی کا ہر پہلو دکھایا گیا ہے۔ روشن بھی اور تاریک بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ شیخ صاحب نے تاریک پہلوؤں پر کچھ زیادہ ہی زورِ قلم اور وقت صرف کر دیا ہے۔ اس کا ثبوت شبلی نامہ کا آخری فقرہ ہے۔ جو شیخ سعدی کے قطعہ کا ترجمہ ہے۔ اور عطیہ بیگم سے مستعار لیا گیا ہے۔

"انسان کے علم کا اندازہ تو ایک دن میں ہو جاتا ہے لیکن نفس کی خباثت برسوں میں بھی معلوم نہیں ہوتی اور ہم بھی اسی لاعلمی میں رہے"

شبلی نامہ طبع بمبئی میں شیخ محمد اکرام کی حقیقت پسندی سے شکایت نہیں۔ گلہ ہے تو یہ کہ جس خطرناک رجحان سے وہ بمبئی میں محفوظ رہے۔ لاہور آ کر اس کا شکار ہو گئے۔ ہو سکتا ہے کہ مرض کے جراثیم بمبئی میں ہی حملہ آور ہو گئے ہوں کیونکہ بیچارے شبلی پر انہوں نے جو کرم فرمائی کی اس کی وجہ یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ سید سلیمان ندوی نے حیات شبلی میں ایک بحث میں جہاں ہمارے خیال میں سید نے میزانِ عدل کا پلہ جھکا ہی نہیں بلکہ بٹھا دیا ہے۔ یہ حصہ سرسید کے متعلق ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ

"شبلی اور سرسید کے متعلق انہوں نے (سید سلیمان) جس انداز سے بحث کی ہے اس سے ہمارے نزدیک شبلی کو بجائے فائدے کے نقصان ہوگا" اگر شبلی نامہ میں کہیں شبلی کے بارے میں حقائق تلخ یا مسخ نظر آئیں تو منانے کی ضرورت نہیں کہ شیخ صاحب کے پاس خود شبلی نعمانی کی تائید موجود ہے۔ کہ "یہ وہی طریق کار ہے جس کی شبلی تلقین کرتا تھا" (شبلی نامہ طبع بمبئی صہ۱)

صاحبِ تذکرہ کی شخصیت کو بے نقاب کرنا، سوانح نویسی کی بجائے سیرت نگاری کو مطمح نظر بنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریک پہلوؤں کو واضح کرتا۔ اگر یہی علم، سچائی، تاریخ و تحقیق کا راستہ ہے تو اجازت دیجیے کہ سرسید احمد خان
تاریک و سیاہ پہلو کو منظرِ عام پر لایا جائے۔ اس گھناؤنے کردار کا بہ نظر انصاف جائزہ لیا جاتے جو اس
۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی ادا کیا تھا۔

سرسید کے درجنوں تذکرے لکھے گئے۔ کتنے ہی عالم و فاضل حضرات کے سینکڑوں مضامین اور مقالے
رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں لیکن کسی نے بھی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سرسید احمد خان
وفادارانہ (یا غدارانہ) کردار پر کوئی خاص روشنی نہیں ڈالی مجھے زیادہ حیرت تو جدید نقطۂ نظر و زاویۂ نگاہ کے
دار شیخ محمد اکرام کے رویہ پر ہے۔ انہوں نے "موجِ کوثر" میں سرسید کے روشن پہلو تک قلم کو محدود رکھا
ج کوثر میں سرسید کے علم، زہد و تقوٰی، قلندرانہ مزاج اور تعلیمی و سیاسی خدمات کا ذکر کافی مبالغہ آرائی سے
لیا ہے۔ انتہا یہ کہ ڈاکٹر سید عابد حسین کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ " انہیں (یعنی سرسید کو) اس تدبر اور حکمت
کا بچا کھچا سرمایہ ملا تھا جس کی بدولت مسلمانوں نے سات، آٹھ سو سال ہندوستان پر حکومت کی" (موج
ص ۱۵۳) ہم سرسید احمد کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے "تاریخ سرکشی ضلع بجنور" میں حقائق و واقعات کو
نداری سے لکھا۔ اپنی وفاداریوں اور کارگذاریوں کا ذکر فخریہ انداز میں کیا۔ واقعتہً سرسید نے تاریخ سرکشی
میں بیباکی اور جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہوسکتا ہے اس دیدہ دلیری کی وجہ ہو کہ جب یہ تاریخ لکھی
تو انگریز بہادر کے ساتھ ان کی وفاداری "مسلّم" ہو چکی تھی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ سرسید اپنی شاہکار
ب، آثار الصنادید کے معاملے میں بزدلی کا مظاہرہ کر چکے تھے۔ یعنی آثار الصنادید کے دوسرے ایڈیشن
جو کہ ۱۸۵۴ء کو شائع ہوا، چوتھا باب نکال دیا جس میں دہلی کے عالموں، صوفیوں اور شاعروں کا حال درج
وجہ ضیاء الحسن فاروقی سے سنئے۔

"آثار کے دوسرے ایڈیشن کی ترتیب میں مسٹر طامس (ایڈورڈ طامس سشن جج دہلی) کا مشورہ شامل تھا
یہ ایسا تو نہیں کہ چونکہ چوتھے باب میں " وہابی" علماء کا بھی حال شامل تھا اور ان سے سرسید کی عقیدت و
ت ظاہر ہوتی تھی اس لئے انگریز جج نے مشورہ دیا کہ اس باب کو نکال دیا جائے۔ اس وقت صورت یہ تھی
سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے شعلے بھڑکے ہوئے تھے۔ اس کی حرارت ابھی باقی تھی۔ اور ایسی چنگاریاں
موجود تھیں جن سے انگریزوں کو خوف محسوس ہوتا تھا۔ ادھر ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا جب سرسید
انگریز دوستی اور وفاداری اتنی مسلّم ہو چکی ہو کہ وہ خود یہ کہہ دیں کہ میں خود وہابی ہوں اور وہابی ہونا جرم
ہے۔ اس لئے ہوسکتا ہے کہ خود سرسید نے مصلحت اسی میں سمجھی ہو کہ دوسرے ایڈیشن سے چوتھا باب
دیں، لیکن یہ مصلحت کمزوری کی علامت ہے۔ اور ایک بے باک مورخ سے اس کی توقع نہیں کی جاتی۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(اشخاص و افکار عنوان سرسید بحیثیت مؤرخ ص ۴۰ طبع دہلی)

"معمولی خوشامد اور تھوڑی سی وفاداری" کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ سرسید کی بصیرت، دوراندیشی و بینش نے بھانپ لیا تھا کہ اب ہندوستان میں کمپنی بہادر کا راج قائم ہو کر رہے گا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر صورت حال یہی ہے تو میر جعفر کی "مومنانہ فراست" کو کیا کہیں گے۔ جس نے سرسید سے ایک سو برس قبل اس حقیقت کو جان لیا تھا۔

ہائے رے بدقسمت میر جعفر، اگر مرشد آباد میں کوئی کالج قائم کر دیتا تو آج ننگ دیں، ننگ قوم اور ننگ وطن کی بجائے سر، خان بہادر یا شمس العلماء ہوتا جس طرح آج سرسید غدار کی بجائے مصلح، نجات دہندہ اور قومی نظریہ کے بانی ہیں۔ بہرحال اصل موضوع کی طرف پلٹتا ہوں۔

"۱۳ مئی ۱۸۵۷ء کو بجنور میں، میرٹھ کے واقعات کی خبر پہنچی اور یہاں بھی شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ مجسٹریٹ ضلع شیکسپیر نے بہت سی احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ دو حفاظتی غول خاص طور سے قابل ذکر ہیں ایک محمد رحمت خاں ڈپٹی کلکٹر اور دوسرا سید احمد خان صدر امین کا۔ (جنگ آزادی ۱۸۵۷ء واقعات و شخصیات از محمد ایوب قادری ص ۱۵۳)

"نواب محمود خاں نے امروہہ اور مراد آباد وغیرہ میں بھی فوج کے دستے روانہ کئے۔ تاکہ تحریک آزادی کو تقویت پہنچے۔ مگر یہاں انگریزوں کے بعض وفادار سرسید اور رحمت خان وغیرہ برابر تحریک آزادی کے پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی مذموم کوششوں میں مصروف تھے۔ ان کی انگریز حکام سے خفیہ خط و کتابت تھی"

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی ص ۳۱۱-۳۱۲ طبع دہلی)

نواب محمود خاں نے ضلع کے انتظام کو بڑی قابلیت سے درست کیا، ہندو مسلمانوں کے تعلقات کی استواری و خوشگواری پر زور دیا۔ مندروں پر حفاظت کے لئے پہرے بٹھائے۔ مگر گورنمنٹ کا وفادار گروہ جس کے سرخیل سید احمد خان تھے۔ انگریزوں سے خفیہ خط و کتابت میں مصروف تھے۔ اور ان لوگوں نے خیر خواہی سرکار کے پردہ میں ہندو چودہریوں کو نواب محمود خاں کے خلاف بغاوت پر ابھارا، یہی وہ فتنہ تھا جو آگے چل کر محمود خاں کی حکومت کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور انگریزی حکومت کے دوبارہ قیام کا سبب بنا"

(جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از ایوب قادری ص ۱۵۴)

ہندو چودہریوں نے جو اندھیر نگری مچائی اس کا تفصیلی بیان تاریخ سرکشی ضلع بجنور میں ملتا ہے۔ ضلع بجنور میں ہندو چودہریوں نے اپنی گروہ بندی کی، اور احمد اللہ خان سے ۵ اگست ۱۸۵۷ء کو مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔ اب تو چودہریوں کا حوصلہ بڑھ گیا۔ ۶ اگست ۱۸۵۷ء کو بجنور پر چڑھ دوڑے نواب محمود خاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مقابلہ ہوا۔ چودھری مضبوط پڑے۔ نواب محمود خاں نجیب آباد چلے گئے۔ شیر کوٹ سے احمد اللہ خاں نجیب آباد آئے۔ چودھریوں نے دفاتر اور عدالت جلا دی۔ خزانہ اور اسباب لوٹ لیا۔ اور چودھریوں نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ موضع سواہیڑی کے مسلمانوں کو لوٹ لیا۔ اور کئی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔ جاٹوں نے چتھاور کے معزز مسلمان اصغر علی کو مار ڈالا۔ اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کر لاش کو گھسیٹا۔ چتھاور کی مسجد شہید کر دی۔

(سرکشی بجنور بحوالہ جنگ آزادی از ایوب قادری صہ ۱۵۵)

اسی صفحہ کے فٹ نوٹ میں "سرکشی" کے حوالے سے چودھریوں کی منادی کا ذکر ہے۔

"خلق خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم چودھری نین سنگھ اور چودھری جودھ سنگھ بجنور والوں کا اور ہلدور کے چودھری صاحبوں کا"

سرسید کا انگریز حکام کا مسلسل رابطہ تھا۔ جب محمود خاں بجنور سے نجیب آباد چلا گیا تو انگریزوں نے ضلع کا انتظام سرسید گروپ کے حوالے کر دیا۔ انہی دنوں کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:۔

"جب ضلع ہمارے سپرد ہوا تو میری یہ رائے ہوئی تھی کہ پرانے الفاظ منادی کے یعنی "خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ کا حکم کمپنی بہادر کا بولے جاویں اور بجائے ملک بادشاہ کے پکارا جائے کہ ملک وکٹوریہ شاہ لندن کا"

("تاریخ سرکشی ضلع بجنور از سرسید)

ایوب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ جب ضلع بجنور کا انتظام نواب محمود خاں نے سنبھالا تو گورنمنٹ انگریزی کے وفادار سید احمد خان، تراب علی خان اور پنڈت رادھا کرشن نے انتظامات میں روڑے اٹکائے۔ مال گذاری کی وصولی میں مخل ہوئے" (جنگ آزادی ۱۸۵۷ صہ ۱۵۳) جب نواب محمود خاں نے دوبارہ یلغار کر کے بجنور سے چودھریوں کو نکال دیا تو "گورنمنٹ انگریزی کے وفادار سید احمد خاں وغیرہ نے تمام خط و کتابت کا ریکارڈ ضائع کر دیا کہ مبادا کہیں انقلابیوں کے ہاتھ لگ جائے۔ اور بجنور سے سید احمد خاں وغیرہ ہلدور چلے گئے۔

بدھ سنگھ چودھری بھی ہلدور پہنچ کر ان لوگوں سے مل گیا" (سرکشی بجنور صہ ۹۹)

سرسید اعتراف کرتا ہے کہ "محمود (صدر امین) نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کنوئیں میں ڈال دیا" (سرکشی صہ ۱۱)

"مولوی منیر خاں نے مجھ سے درباب جہاد گفتگو کی۔ میں نے اس سے کہا کہ شرع کے بموجب جہاد نہیں ہے" (سرکشی صہ ۳۹)

محمد نصیر الدین ہاشمی مصنف "دکنی کلچر" اپنی کتاب کے صہ ۱۵۷ پر سرسید احمد خاں کی تقریر کا ایک ٹکڑہ نقل کرتے ہیں جو کچھ یوں ہے کہ "ہندوستان میں ہم نے اپنے ملک کی بھلائی کے واسطے انگلش حکومت قائم کی ہندوستان میں ہم اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثل قینچی کے دو پلڑوں کے شریک تھے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس نے زیادہ کام کیا ہے۔"

جب پوری قوم تحریک آزادی میں شکست کھانے کے بعد زخموں سے چُور اور بے حال تھی تو سر سید احمد خان یوں نمک پاشی کرتے ہیں:-

"تم نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا نہیں کیا۔ اس کا وبال تم پر پڑا۔ اور چند روز تغیر عملداری کر کے تم کو مزہ چکھا دیا۔ حکمت الٰہی اس میں یہ تھی کہ تم اب ہماری سرکار انگلشیہ کی عملداری کی قدر جانو اور اسی کے سایہ حمایت کو اپنے سر پر ظل ہما سے بہتر سمجھ کر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔" (تاریخ سرکشی ضلع بجنور)

آخر میں ایڈورڈ تھامسن کی کتاب "انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ" ترجمہ شیخ حسام الدین صفحہ ۱ سے مندرجہ بالا پیرا نقل کرنے کو جی چاہتا ہے۔

"آج سے سو سال بعد یقیناً ایک ایسا دن آئے گا جب کہ غدر کے متعلق تمام واقعات اور ہندوستانی روایات کا سختی سے احتساب کیا جائے گا۔ اور اس پر تعصب یا پروپیگنڈے کی حیثیت سے نہیں بلکہ خالص تاریخی اعتبار سے نظر ڈالی جائے گی۔ جس کے بعد وہ ایک مستند صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ یقیناً غلامانہ زندگی کی یہ ایک نہایت ہی خوفناک کہانی ہوگی۔" (علی ارشد، فیصل آباد)

ولی خان اور قادیانیت | پاکستان کے سیاست دانوں میں خان عبدالولی خان پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے کھلم کھلا قادیانیوں کی حمایت میں اعلان کر دیا ہے۔ وہ بار بار فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ انہوں نے بھٹو صاحب کے زمانہ میں اسمبلی میں پیش کردہ اس بل کی مخالفت کی تھی جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میرے ہی اصرار پر احمدی فرقہ کے سربراہ کو پارلیمنٹ میں اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کا موقعہ دیا گیا لیکن اس کے باوجود احمدی فرقہ کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ہم اس وقت بھی اس کے مخالف تھے اور اب بھی مخالف ہیں کیونکہ ہم سیکولرازم کے سختی سے قائل ہیں۔" (روزنامہ مشرق ۲۱ جولائی ۱۹۸۶ء)

خان عبدالولی خان زیرک سیاست دان ہیں۔ اس لئے ان کے بیانات کو سرسری طور پر دیکھ کر نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ قادیانیوں کے حق میں یہ بیان انہوں نے روسی سفیر سے ملاقات کرنے کے بعد دیا ہے اور ایسے موقعہ پر دیا ہے کہ اس کی پارٹی کا ایک رہنما روس کے دورہ پر ہے۔ پس عین ممکن ہے کہ روسی سامراج نے قادیانیوں کے ساتھ سازباز کی ہو اور پرانے ساتھیوں کو ان کے ساتھ دوستی کرنے کا اشارہ دیا ہو اس بیان کا اس پہلو سے بھی ہم نے جائزہ لینا ہے کہ ولی خان اور قادیانیوں میں قدر مشترک کیا ہے؟

میرے خیال میں ولی خان کی آنکھ میں آج کل سب سے زیادہ کھٹکنے والی چیز جہاد افغانستان ہے اپنی ہی

© rasailojaraid.com